مفتی محمد شفیع عثمانی کے سیاسی افکار تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ

Mufti Muhammad Shafi Uthmani's Political Thoughts an Exploration through Tafsir Maarif Al-Qur'an

Dr. Mairaj Ali
Assistant Professor, Instructor of Islamic & Quranic Studies, (Allied Faculty) Namal University Mianwali
Email: mairaj.ali@namal.edu.pk
Noushad Ahmad
M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies, University of Malakand
Email: noushadctl663@gmail.com
Bilal Khan
M.Phil. Scholar, department of Islamic Studies, University of Malakand
Email: bilalahmad123866@gmail.com

Abstract
This article endeavors to elucidate the political ideology and perspectives of Mufti Muhammad Shafi Usmani, a prominent figure in the Pakistan Movement and a close associate of Quaid-e-Azam. As a key contributor to the formulation of Pakistan's legislation, particularly the Islamic provisions of the Resolution of Objectives, Mufti Usmani's thoughts on governance offer valuable insights into the intersection of Islam and democracy.
Given his affiliation with a religious institution that advocates for the Caliphate system, this article seeks to explore Mufti Usmani's opinions on the supreme authority of the state, constitutional frameworks, leadership roles, and government positions. Furthermore, it examines his views on the Caliphate and democratic systems, providing a nuanced understanding of his political philosophy.
This study aims to provide a comprehensive understanding of Mufti Muhammad Shafi Usmani's political thoughts and their relevance to contemporary discussions of Islam, democracy, and governance by critically analyzing his literary works, including Maarif ul Quran.
Keywords: Mufti Muhammad Shafi Uthmani, Political thoughts, Tafsir Maarif Al-Qur'an, Supreme Authority of the state, Caliphate

محمد شفیع عثمانی:

مفتی محمد شفیع عثمانی فاضل دارالعلوم دیوبند وبانی دارالعلوم کراچی پاکستان کے مشہور مفسر، محدث اور فقیہ ہیں آپ 25 جنوری 1897 بمطابق 21 شعبان اعظم 1314 کو سہارنپور یوپی (موجودہ بھارت) کے قصبے دیوبند میں

پیدا ہوئے[1] سن 1947 میں اپنا آبائی وطن دیوبند چھوڑ کر پاکستان ہجرت کی۔ پاکستان آکر دستور سازی کے عمل میں شریک ہوئے۔ آپ نے کراچی کے علاقے کورنگی میں ایک دینی تعلیمی ادارہ بنام "جامعہ دار العلوم کراچی" قائم کیا جو آج پاکستان کا ایک بڑا دینی مدرسہ ہے۔ 6 اکتوبر 1976 کو 79 سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔

معارف القرآن:

یہ مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب کی شاہکار تصنیف ہے جو کہ عوام وخواص میں یکساں مقبول ومتداول ہے اس تفسیر کے تین حصے ہیں:

ترجمہ: اس کا ترجمہ محمود الحسن دیوبندی کا ہے۔

خلاصہ تفسیر: خلاصہ تفسیر اشرف علی تھانوی کی تفسیر سے ماخوذ ہے۔

معارف ومسائل: اس کا صرف یہ حصہ مفتی صاحب کا اپنا ہے جس میں انہوں نے آیت سے مستنبط احکام ومتعلقہ علوم کی تشریح کی ہیں۔

مفتی صاحب نے ریڈیو پاکستان پر 3 شوال ۱۳۷۳ھ بمطابق ۲ جولائی ۱۹۲۵ء سے تقریباً گیارہ سال درس قرآن دیا۔[2] جب یہ سلسلہ موقوف ہو گیا تو بعض ساتھیوں کے مطالبے پر اس درس والے ریکارڈنگ کو نظر ثانی کر کے کتابی شکل دینا شروع کیا، کتابت سن ۱۳۸۳ھ سے شروع کی تقریباً نو سال بعد یہ تفسیر ۱۳۹۲ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی جو آج کل آٹھ جلدوں میں کراچی ادارۃ المعارف سے مطبوع ہو کر دستیاب ہے۔

سیاست:

سیاست عربی زبان سے ماخوذ ہے جو «سَاسَ یَسُوسُ» سے مشتق ہے۔ جس کا معنی "کسی شے کی تدبیر کرنا، اصلاح کرنا یا تربیت کرنا" ہے۔[3] لفظ سیاست اردو اور فارسی میں بھی تربیت اور تدبیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[4] جبکہ اصطلاح میں سیاست کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں ابن خلدون کے مطابق سیاست اور حکومت کا مقصد مخلوق خدا کا نگہداشت اور ان کے مفاد کی کفالت وضمانت کا دوسرا نام ہے یہ سیاست خدا تعالی کی نیابت ہے[5]۔ مولنا گوہر رحمن کے مطابق سیات کا معنی شہری حکومت کا علم وفن ہے۔[6]

مفتی محمد شفیع عثمانی کے سیاسی افکار

مفتی شفیع نے سیاسیات پر مستقل کوئی تالیف نہیں کی ہے البتہ ان کی مختلف کتابوں سے ان کے سیاسی افکار کو اخذ کیا جا سکتا ہے، خصوصا ان کی تفسیر معارف القرآن کے مختلف آیات میں "معارف ومسائل" کے ذیل میں سیاسی مباحث سے مستفاد ہیں، ان کے چند افکار درج ذیل ہیں:

اقتدار اعلی صرف اللہ کا:

مفتی صاحب کسی بھی مملکت کے دستور میں اقتدار اعلی کا مالک اللہ تعالی کو سمجھتے ہیں سورہ بقرہ آیت نمبر30-33 کی تفسیر میں مفتی صاحب لکھے ہیں: زمین کا انتظام اور اس میں خدا کا قانون نافذ کرنے کے لئے اس کی طرف سے کسی نائب کا مقرر ہونا جو ان آیات سے معلوم ہوا اس سے دستور مملکت اہم باب نکل آیا کہ اقتدار اعلیٰ تمام کائنات اور پوری زمین پر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ، [7] اور لَه مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[8] اور الَا لهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ[9]، وغیرہ۔[10]

یہی بات مفتی صاحب سورہ نساء آیت نمبر58 کے ذیل میں بھی بعنوان "دستور مملکت کے قرآنی اصول" لکھتے ہیں:

اول یہ کہ آیت کے پہلے جملہ کو ان اللہ یامرکم سے شروع فرما کہ اس طرف اشارہ کر دیا کہ اصل امر اور حکم اللہ تعالیٰ کا ہے، سلاطین دنیا سب اس کے مامور ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ ملک میں اقتدار اعلی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔[11]

زمین میں اللہ کی خلافت (نیابت):

مفتی صاحب کے مطابق یہ حق صرف انسان کو حاصل ہے جو اس بار کو اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسا کہ آیت(وَ اِذْ قَالَ ربك لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَة قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ)[12] کے ذیل میں آیات سے استنباط کر کے فرشتوں کے بجائے انسان کو اس صلاحیت کو متحمل قرار دیتا ہے۔[13]

اسی متعلق اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّه كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا [14]

اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "حق تعالیٰ نے تقدیر ازلی میں آدمؑ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنانا طے فرمایا تھا اور یہ خلافت اسی کو سپرد کی جاسکتی تھی، جو احکام الہیہ کی اطاعت کا بار اٹھائے، کیونکہ اس خلافت کا حاصل ہی یہ ہے کہ زمین پر اللہ کے قانون کو نافذ کرے، خلق خدا کو احکام الہیہ کی اطاعت پر امادہ کرے۔ اس لئے تکوینی طور پر حضرت آدمؑ اس امانت کے اٹھانے کے لئے آمادہ ہو گئے، حالانکہ دوسری بڑی بڑی مخلوقات کا اس سے عاجز ہونا بھی معلوم ہو چکا تھا۔[15] انہیں حق امانت کو ادا کرنے والوں کی بنا پر قرآن حکیم نے نوع انسانی کو اشرف المخلوقات ٹھہرایا۔ ولقد کرمنا بنی آدم[16]،

ہر نبی خلیفہ الٰہی ہے:

سورۃ احزاب آیت نمبر30-33 کی تفسیر میں راقم ہیں:" زمین کے انتظام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب آتے ہیں جو بأذن خداوندی زمین پر سیاست و حکومت اور بندگان خدا تعالیٰ کی تعلیم و تربیت کا کام کرتے اور احکام الٰہیہ کو نافذ کرتے ہیں اس خلیفہ ونائب کا تقرر بلا واسطہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس میں کسی کے کسب و عمل کا کوئی دخل نہیں اسی لئے پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت کسبی چیز نہیں جس کو کوئی اپنی سعی و عمل سے حاصل کر سکے بلکہ حق تعالیٰ ہی خود اپنے علم و حکمت کے تقاضے سے خاص خاص افراد کو اس کام کے لئے چن لیتے ہیں جن کو اپنا نبی و رسول یا خلیفہ ونائب قرار دیتے ہیں قرآن حکیم نے جگہ جگہ اس کا اظہار فرمایا ہے ارشاد ہے: اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۔[17] ترجمہ: اللہ تعالیٰ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے اپنے رسول کو اور انسانوں میں سے بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے، نیز ارشاد ہے: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَه [18] اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ اپنی رسالت کس کو عطا فرماویں۔

یہ خلیفۃ اللہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے اس کے احکام معلوم کرتے اور پھر ان کو دنیا میں نافذ کرتے ہیں یہ سلسلہ خلافت و نیابت الٰہیہ کا آدمؑ سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء ﷺ تک ایک ہی انداز میں چلتا رہا یہاں تک کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے آخری خلیفہ ہو کر بہت ہی اہم خصوصیات کے ساتھ تشریف لائے۔[19]

خلافتِ رسول:

پچھلے آیت کی تفسیر ہی میں خلیفہ بعد الرسل کے بارے میں لکھتے ہیں: خاتم الانبیاء ﷺ کا زمانہ خلافت و نیابت تا قیامت ہے اس لئے قیامت تک آپ ہی اس زمین میں خلیفۃ اللہ ہیں آپ کی وفات کے بعد نظام عالم کیلئے جو نائب ہو گا وہ خلیفۃ الرسول اور آپ کا نائب ہو گا صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبى كلفه نبى و انه لانى بعدى وسيكون خلفاء فيكثرون[20] بنی اسرائیل کی سیاست و حکومت ان کے انبیاء کرتے تھے ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی آجاتا اور خبردار رہو کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہاں میرے خلیفہ ہوں گے اور بہت ہوں گے۔[21]

خلیفہ منتخب کرنے والا:

مفتی صاحب کے مطابق خلیفہ کا انتخاب منصوص نہیں بلکہ امت کا حوالہ ہے جس کو چاہیے انتخاب کرے چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:" آپ کے بعد آپ کی امت کے مجموعے کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام عطا فرمایا جو انبیاء (علیہم السلام) کا ہوتا ہے یعنی امت کے مجموعے کو معصوم قرار دے دیا کہ آپ کی

پوری امت کبھی گمراہی اور غلطی پر جمع نہ ہو گی یہ پوری امت جس مسئلہ پر اجماع و اتفاق کرے وہ حکم خداوندی کا مظہر سمجھا جائے گا اسی لئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بعد اسلام میں تیسری حجت اجماع امت قرار دی گئی ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:لن تجتمع امتی علی الضلالة، [22] میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہو گی۔ اس کی مزید تفصیل اس حدیث سے معلوم ہو جاتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ: میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر قائم رہے گی دنیا کتنی ہی بدل جائے حق کتنا ہی مضمحل ہو جائے مگر ایک جماعت حق کی حمایت ہمیشہ کرتی رہے گی اور انجام کار وہی غالب رہی گی،اس سے بھی واضح ہو گیا کہ پوری امت کبھی گمراہی اور غلطی پر جمع نہ ہو گی اور جب کہ امت کا مجموعہ معصوم قرار دیا گیا تو خلیفہ رسول اللہ ﷺ کا انتخاب بھی اسی کے سپرد کر دیا گیا اور خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد نیابت زمین اور نظم حکومت کے لئے انتخاب کا طریقہ مشروع ہو گیا یہ امت جسے خلافت کے لئے منتخب کر دے وہ خلیفہ رسول کی حیثیت سے نظام عالم کا واحد ذمہ دار ہو گا اور خلیفہ سارے عالم کا ایک ہی ہو سکتا ہے [23]۔ خلفائے راشدین کے آخری عہد تک یہ سلسلہ خلافت صحیح اصول پر چلتا رہا اور اسی لئے ان کے فیصلے صرف دینی اور ہنگامی فیصلوں کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ایک محکم دستاویز اور ایک درجہ میں امت کے لئے حجت مانے جاتے ہیں کیونکہ خود آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین؛[24] میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفائے راشدین کی سنت کو۔

موجودہ دور میں امیر یا خلیفہ:

مفتی صاحب کے مطابق امت کی آج کل طوائف الملوکی / مختلف لسانی و نسلی بنیاد پر تقسیم کی وجہ سے کسی ایک امیر / خلیفہ پر اجماعی ممکن نہ رہا ہے تو اس لیے ہر ملک کے حکمران کو امیر مانا جائے گا اس کو خلیفہ کے بجائے امیر خاص کہا جائے گا جیسا کہ لکھتے ہیں: "خلافت راشدہ کے بعد خلافت راشدہ کے بعد کچھ طوائف الملوکی کا آغاز ہوا مختلف خطوں میں مختلف امیر بنائے گئے ان میں سے کوئی بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں ہاں کسی ملک یا قوم کا امیر خاص کہا جا سکتا ہے اور جب پوری دنیا کے مسلمانوں کا اجتماع کسی ایک فرد پر متعذر ہو گیا اور ہر ملک ہر قوم کا علیٰحدہ علیحٰدہ امیر بنانے کی رسم چل گئی تو مسلمانوں نے اس کا تقرر اسی اسلامی نظریہ کے تحت جاری رکھا کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت جس کو امیر منتخب کرے وہ ہی اس ملک کا امیر اور اولو الامر کہلائے گا۔[25]

مغربی جمہوریت اور خلافت میں فرق:

1۔ مغربی جمہوریت میں ہر ممبر اسمبلی اور اسمبلی بالکل آزاد ہوتی ہے جو چاہیے قانون بنائے اچھا ہو یا برا جبکہ خلافت میں ہر قانون الٰہیہ کے قانون کے تابع ہو گا۔

2۔ مغربی جمہوریت میں ممبر کے لیے کوئی شرط نہیں جبکہ شورائیت میں شوری ممبر بننے کے لئے مخصوص شرائط ہیں۔

جیسا کہ لکھتے ہیں: اسمبلیاں اسی طرز عمل کا ایک نمونہ ہیں فرق اتنا ہے کہ عام جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اور ان کے ممبران بالکل آزاد وخود مختار ہیں محض اپنی رائے سے جو چاہیں اچھا یا برا قانون بناسکتے ہیں اسلامی اسمبلی اور اس کے ممبران اور منتخب کردہ امیر سب اس اصول و قانون کے پابند ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول ﷺ کے ذریعہ ان کو ملا ہے اس اسمبلی یا مجلس شوریٰ کی ممبری کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں اور جس شخص کو یہ منتخب کریں اس کے لئے بھی کچھ حدود و قیود ہیں پھر ان کی قانون سازی بھی قرآن وسنت کے بیان کردہ اصول کے دائرہ میں ہوسکتی ہے اس کے خلاف کوئی قانون بنانے کا ان کو اختیار نہیں۔[26]

خلیفہ کی شرائط:

مفتی صاحب قرآن کی آیت وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ [27] سے مستنبط کرکے خلافت کے لیے دو شرائط لکھتے ہیں:

1۔ صبر

2۔ یقین

چنانچہ فرماتے ہیں: "کسی قوم کا مقتداء وامام بننے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا بايتنا يوقنون، "یعنی ہم نے بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں کو امام اور پیشوا و مقتداء بنادیا جو اپنے پیغمبر کے نائب ہونے کی حیثیت سے باذن ربانی لوگوں کو ہدایت کیا کرتے تھے، جبکہ انہوں نے صبر کیا اور جبکہ وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔"

اس آیت میں علماء بنی اسرائیل میں سے بعض کو امامت و پیشوائی کا درجہ عطا فرمانے کے دو سبب ذکر فرمائے ہیں، اول صبر کرنا، دوسرے آیات الہیہ پر یقین کرنا۔ صبر کرنے کا مفہوم عربی زبان کے اعتبار سے بہت وسیع اور عام ہے۔ اس کے لفظی معنی باندھنے اور ثابت رہنے کے ہیں۔ اس جگہ صبر سے مراد احکام آلہیہ کی پابندی پر ثابت قدم رہنا اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان سے اپنے نفس کو روکنا ہے جس میں تمام احکام شریعت کی پابندی آجاتی ہے اور یہ بہت بڑا عملی کمال ہے۔ دوسرا سبب ان کا آیات آلہیہ پر یقین رکھنا ہے۔ اس میں آیات کے مفہوم کو سمجھنا پھر سمجھ کر اس پر یقین کرنا دونوں داخل ہیں، یہ بہت بڑا کمال علمی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امامت وپیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو عمل میں بھی کامل ہوں اور علم میں بھی، اور یہاں عملی کمال کو علمی کمال سے مقدم بیان فرمایا ہے کہ ترتیب طبعی میں علم عمل سے مقدم ہوتا ہے۔

اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ علم قابل اعتبار ہی نہیں جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ابن کثیر نے بعض علماء کا قول اس آیت کی تفسیر میں نقل کیاہے کہ "بالصبر والیقین تنال الامامۃفی الدین"۔"یعنی صبر اور یقین ہی کے ذریعہ دین میں کسی کی امامت کادرجہ مل سکتاہے۔[28]"

شورائیت اور اسلام:

مذکورہ عنوان سے متعلق مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب تفسیر معارف القرآن میں ذکر فرماتے ہیں:

لفظ امر کا اطلاق عربی زبان میں کئی معنی کے لئے ہوتا ہے، ایک عام معنی میں آتا ہے، جو ہر مہتم بالشان قول و فعل کو شامل ہے، دوسرا اطلاق بمعنی حکم اور حکومت ہے، جس پر قرآن کریم میں لفظ اولی الامر محمول ہے، تیسرا اطلاق حق تعالیٰ کی ایک مخصوص صفت کے لئے ہے، جس کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ہے مثلاً "الا لہ الخلق والامر"[29]،اب قرآن کے ارشاد:"وشاورھم فی الامر"[30] اور "وامرھم شوری بینھم"[31] میں دونوں معنی کا احتمال ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلے ہی معنی مراد ہیں اور دوسرے معنی بھی اس میں شامل ہیں تو یہ بھی کچھ بعید نہیں، کیونکہ حکم اور حکومت کے معاملات سبھی خاص اہمیت رکھتے ہیں، اس لئے امر کے معنی ان آیات میں ہر اس کام کے ہیں جو خاص اہمیت رکھتا ہو، خواہ حکومت سے متعلق ہو خواہ معاملات سے، اور لفظ شوریٰ ،مشورہ، مشاورت کے معنی ہیں کسی قابل غور معاملہ میں لوگوں کی رائے حاصل کرنا، اس لئے وشاورھم فی الامر کے معنی یہ ہوئے کہآنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ قابل غور معاملات میں جن میں حکومت کے متعلقہ معاملات بھی شامل ہیں، صحابہ کرام سے مشورہ لیا کریں، یعنی ان حضرات کی رائے معلوم کیا کریں۔اسی طرح سورۃشوری کی آیت:وامرھم شوری بینھم کے معنی یہ ہوئے کہ ہر قابل غور معاملہ میں جس میں کوئی اہمیت ہو، خواہ حکم و حکومت سے متعلق ہو یا دوسرے معاملات سے، ان میں سچے مسلمانوں کی عادت مستمرہ یہ ہے کہ باہم مشوہ سے کام کیا کرتے ہیں۔[32]

مشورہ کی شرعی حیثیت:

مذکورہ عنوان سے متعلق مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب تفسیر معارف القرآن میں ذکر فرماتے ہیں: قرآن کریم کے ارشادات مذکورہ اور احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایسے معاملہ میں جس میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں خواہ وہ حکم و حکومت سے متعلق ہو یا کسی دوسرے معاملہ سے باہمی مشورہ لینا رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی سنت اور دنیا و آخرت میں باعث برکات ہے، قرآن و حدیث میں اس کی تائید آتی ہے اور جن معاملات کا تعلق عوام سے ہے جیسے معاملات حکومت ان میں مشورہ لینا واجب ہے۔ اور ایک حدیث [33]میں ہے کہ جب تمہارے

حکام تم میں سے بہترین آدمی ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوا کریں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لئے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدترین افراد ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں، اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کے اندر دفن ہو جانا تمہارے زندہ رہنے سے بہتر ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم پر خواہش پرستی غالب آجائے کہ بھلے برے اور نافع و مضر سے قطع نظر کر کے محض عورت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے معاملات اس کے سپرد کر دو تو اس وقت کی زندگی سے تمہارے لئے موت بہتر ہے، ورنہ مشورہ میں کسی عورت کی بھی رائے لینا کوئی ممنوع نہیں، رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے تعامل سے ثابت ہے۔

حکومت اسلامی میں مشورہ کا درجہ کیا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کریم نے دو جگہ مشورے کا صریح حکم دیا ہے، ایک یہی آیت مذکورہ اور دوسرے سورۃ شوری کی آیت جس میں سچے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے وامرھم شوری بینھم[34] یعنی اور ان کا کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے ان دونوں جگہ پر مشورہ کے ساتھ لفظ امر مذکور ہے، اور لفظ امر کی مفصل تحقیق اوپر بیان ہو چکی ہے کہ ہر مہتم بالشان قول و فعل کو بھی کہا جاتا ہے اور حکم اور حکومت کے لئے بھی بولا جاتا ہے، امر کے خواہ معنی اول مراد لیں یا دوسرے معنی، حکمت کے معاملات میں مشورہ لینا بہر صورت ان آیات سے ضروری معلوم ہوتا ہے حکم یا حکومت مراد لینے کی صورت میں تو ظاہر ہی ہے اور اگر معنی عام لئے جائیں جب بھی حکم اور حکومت کے معاملات مہتمم بالشان ہونے کی حیثیت سے قابل مشورہ ٹھہریں گے، اس لئے امیر اسلام کے فرائض میں سے ہے کہ حکومت کے اہم معاملات میں اہل حل وعقد سے مشورہ لیا کرے۔[35]

پارلیمنٹ کے ممبران کی ضروری صفات:

1۔ صاحب الرائے ہونا

2۔ متقی ہونا

چنانچہ لکھتے ہیں کہ مجلس شوری کے ارکان مین دو وصف ضروری ہے ایک صاحب عقل رائے ہونا دوسرے عبادات گذار ہونا۔ جس کا حاصل یہ ہے ذی رائے اور متقی ہونا۔[36]

وراثتی بادشاہت:

مفتی صاحب آیت وشاورھم فی الامر کی تفسیر میں لکھتے ہیں: قرآن کی آیات مذکورہ اور رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کا مسلسل تعامل اس کی روشن سند ہے۔ ان دونوں آیتوں میں جس طرح معاملات

حکومت میں مشورہ کی ضرورت واضح ہوئی اسی طرح ان سے اسلام کے طرز حکومت اور آئین کے کچھ بنیادی اصول بھی سامنے آگئے کہ اسلامی حکومت ایک شورائی حکومت ہے، جس میں امیر کا انتخاب مشورہ سے ہوتا ہے، خاندانی وراثت سے نہیں۔[37]

اسلامی حکومت کا خاکہ:

مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب تفسیر معارف القرآن میں ذکر فرماتے ہیں:

اسلامی آئین نے جس طرح خلق خدا کو ایران ویونان کے کسری وقیصر اور دوسری شخصی بادشاہتوں کے جبر واستبداد کے پنجہ سے نجات دلائی، اسی طرح ناخدا آشنا مغربی جمہوریتوں کو بھی خدا شناسی، اور خدا پرستی کا راستہ دکھلایا اور بتلایا کہ ملک کے حکام ہوں یا عوام اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قانون کے سب پابند ہیں، ان کے عوام اور عوامی اسمبلی کے اختیارات، قانون سازی، عزل ونصب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں، ان پر لازم ہے کہ امیر کے انتخاب میں اور پھر عہدوں اور منصوبوں کی تقسیم میں ایک طرف قابلیت اور صلاحیت کی پوری رعایت کریں تو دوسری طرف ان کی دیانت وامانت کو پرکھیں، اپنا امیر ایسے شخص کو منتخب کریں جو علم، تقوی، دیانت، امانت، صلاحیت اور سیاسی تجربہ میں سب سے بہتر ہو، پھر یہ امیر منتخب بھی آزاد اور مطلق العنان نہیں، بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینے کا پابند رہے، قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کا تعامل اس پر شاہد عدل ہیں، حضرت عمر کا ارشاد ہے۔ "یعنی شورائیت کے بغیر خلافت نہیں ہے۔"[38] شورائیت اور مشورہ کو اسلامی حکومت کے لئے اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے حتیٰ کہ اگر امیر مملکت مشورہ سے آزاد ہو جائے یا ایسے لوگوں سے مشورہ لے جو شرعی نقطہ نظر سے مشورہ کے اہل نہ ہوں تو اس کا عزل کرنا ضروری ہے۔ ابن عطیہ نے فرمایا کہ شورائیت شریعت کے قواعد اور بنیادی اصولوں میں سے ہے جو امیر اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہ لے، اس کا عزل کرنا واجب ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔[39]

شوری میں فیصلہ کا معیار:

شوری میں اگر ممبران کا اتفاق ہو جائے تو وہی فیصلہ ہو گا لیکن اگر اختلاف ہو جائے تو اکثریت کے بجائے امیر شوری کسی بھی رائے کو دلائل کی قوت کی بناء پر نافذ کر سکتا ہے مفتی صاحب کے مطابق اکثریت خود بھی ایک دلیل اور سبب اطمینان ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں: "قرآن وحدیث اور رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کے تعامل سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اکثریت رائے کے فیصلہ کا پابند ومجبور ہے، بلکہ قرآن کریم کے بعض اشارات اور حدیث اور تعامل صحابہ کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کی صورت

میں امیر اپنی صوابدید کے مطابق کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا ہے، خواہ اکثریت کے مطابق ہو یا اقلیت کے، البتہ امیر اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لئے جس طرح دوسرے دلائل پر نظر کرے گا اسی طرح اکثریت کا ایک چیز پر متفق ہونا بھی بعض اوقات اس کے لئے سبب اطمینان بن سکتا ہے۔۔۔۔۔ حضرت عمر بن الخطاب بعض وقت دلائل کے لحاظ سے اگر عبد اللہ بن عباس کی رائے زیادہ مضبوط ہوتی تھی تو ان کی رائے پر فیصلہ نافذ فرماتے تھے، حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہ موجود ہوتے تھے، جو ابن عباس سے عمر اور علم اور تعداد میں زیادہ ہوتے تھے، حضور اکرم ﷺ نے بہت مرتبہ حضرات شیخین صدق اکبر اور فاروق اعظم کی رائے کو جمہور صحابہ کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے، حتی کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ آیت مذکورہ صرف ان دونوں حضرات سے مشورہ لینے کے لئے نازل ہوئی۔[40]

عہدوں کے اصول:

1۔ ان کو امانت سمجھ کر تقسیم کیا جائے۔

2۔ حکام نسل و قوم سے بالاتر ہو کر فیصلے انصاف کی بنیاد پر کریں۔

جیسا کہ مفتی صاحب آیت "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔[41] کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "حکومت کے عہدے باشندگان ملک کے حقوق نہیں جن کو تناسب آبادی کے اصول پر تقسیم کیا جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی امانتیں ہیں جو صرف ان کے اہل اور لائق لوگوں کو دیئے جاسکتے ہیں۔۔۔۔۔ حکام و امراء کا فرض ہے کہ جب کوئی مقدمہ ان کے پاس آئے تو نسل و وطن اور رنگ و زبان یہاں تک کہ مذہب و مسلک کا امتیاز کئے بغیر عدل و انصاف کا فیصلہ کریں۔[42]

اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری:

مفتی صاحب کے مطابق اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور اللہ کے احکام کی تنفیذ ہے جیسا کہ معارف القرآن آیت (یداود اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ) [43] کے "معارف و مسائل" کے تحت لکھتے ہیں: لہٰذا مسلمانوں کا حاکم، شوریٰ یا اسمبلی اسلامی قانون کی تشریح یا تدوین تو کر سکتی ہے، لیکن درحقیقت وہ واضح قانون نہیں بلکہ اللہ کے قانون کو پیش کرنے

والے ہیں۔ دوسری بات یہاں واضح کر دی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کا بنیادی کام اقامت حق ہے۔ حکومت پر لازم ہے کہ وہ اپنے انتظامی معاملات اور تنازعات کے تصفیہ میں حق و انصاف قائم کرے۔[44]

مناصب کے اصل مستحقین:

مفتی صاحب کے مطابق

1۔ علمی و عملی قابلیت کے ساتھ امانت و دیانت بنیادی شرط ہے

2۔ اگر اہل ہونے کے باوجود دیانت سے متصف نہیں ہیں تو اگر ڈگریوں اور کام کے ماہرین کے بجائے دیانت اور امانت کو دیکھا جائے۔

3۔ امانت و دیانت کی بنیاد خوف خدا ہے یعنی ایک متقی آدمی کسی کو اس شخص سے اچھا نبھا سکتا ہے جو اعلی ڈگری کے حامل ہو لیکن اللہ کا خوف نہ رکھتا ہو۔

4۔ صوبے اور نسلی بنیادوں پر حکومتی مناصب غیر شرعی ہیں۔

جیسا کہ سورۃ ص کی آیت نمبر 6 کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "تیسری ہدایت جس پر اس آیت میں سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کی پیروی مت کرو، اور روز حساب کو ہر وقت پیش نظر رکھو۔ اس ہدایت پر سب سے زیادہ زور اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ چیز اقامت حق کی بنیاد ہے۔ جس حاکم یا قاضی کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے وہی صحیح معنی میں حق و انصاف قائم کر سکتا ہے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو آپ اچھے سے اچھا قانون بنا لیجئے۔ نفس انسانی کی دسیسہ کاریاں ہر جگہ اپنا راستہ خود بنا لیتی ہیں اور ان کی موجودگی میں کوئی بہتر سے بہتر نظام قانون بھی حق و انصاف قائم نہیں کر سکتا۔ دنیا کی تاریخ اور موجودہ زمانے کے حالات اس پر گواہ ہیں۔ ذمہ داری کے عہدوں میں سب سے پہلے دیکھنے کی چیز انسان کا کردار ہے یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی شخص کو حاکم، قاضی یا کسی محکمے کا افسر بنانے کے لئے سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے یا نہیں اور اس کے اخلاق و کردار کی کیا حالت ہے؟ اگر یہ محسوس ہو کہ اس کے دل پر خوف خدا کے بجائے خواہشات نفسانی کی حکمرانی ہے تو خواہ وہ کیسی اعلیٰ ڈگریاں رکھتا ہو اور اپنے فن میں کتنا ہی ماہر اور پختہ کار ہو، اسلام کی نظر میں وہ کسی اونچے منصب کا مستحق نہیں ہے"۔[45]

مفتی صاحب معارف القرآن میں "معارف و مسائل" کے تحت آیت ان اللہ یامرکم ان تودوا الامنت الی اھلھا "یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہونچایا کرو۔"[46] کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "حکومت کے مناصب اللہ کی امانتیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ

سب اللہ کی امانتیں ہیں جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل و نصب کے اختیارات ہیں، ان کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کے لئے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔ کسی منصب پر غیر اہل کو بٹھانے والا ملعون ہے۔ پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔ ایک حدیث مبارکہ میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: "جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کئے ہوئے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے"[47]

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول کی اور سب مسلمانوں کی، آج جہاں نظام حکومت کی ابتری نظر آتی ہے وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے کہ تعلقات اور سفارشوں اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کئے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور ناقابل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں اور سارا نظام حکومت برباد ہو جاتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: اذا وسد الامرالی غیر اهله فانتظر الساعة۔ "یعنی جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کر دی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں تو (اب اس فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو۔"[48]

غرض آیت کے پہلے جملہ میں ادائے امانت کا حکم ہے اور دوسرے میں عدل و انصاف کا ان میں ادائے امانات کو مقدم کیا یا، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پورے ملک میں عدم و انصاف کا قیام اس کے بیر ہو ہی نہیں سکتا کہ جن کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار ہے وہ پہلے اداء امانات کا فریضہ صحیح طور پر ادا کریں، یعنی حکومت کے عہدوں پر صرف انہی لوگوں کو مقرر کریں جو صلاحیت کار اور امانت و دیانت کی رو سے اس عہدہ کے لے سب سے زیادہ بہتر نظر آئیں، دوستی اور تعلقات یا محض سفارش یا رشوت کو اس میں راہ نہ دیں، ورنہ نتیجہ یہ ہو گا کہ نااہل ناقابل یا خائن اور ظالم لوگ عہدوں پر قابض ہو جائیں گے پھر اگر ارباب اقتدار دل سے بھی یہ چاہیں کہ ملک میں عدل و انصاف کا رروا ج ہو تو ان کے لئے ناممکن ہو جائے گا، کیونکہ یہ عہدہ داران حکومت ہی حکومت کے ہاتھ اور پیر ہیں، جب یہ خائن یا ناقابل ہوئے تو عدل و انصاف قائم کرنے کی کیا راہ ہے؟ اس آیت میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے

قابل ہے کہ اس میں حق جل شانہ نے حکمت کے عہدوں کو بھی امانت قرار دے کر اول تو یہ واضح فرمادیا کہ جس طرح امانت صرف اسی کو ادا کرنا چاہئے جو اس کا مالک ہو، کسی فقیر، مسکین پر رحم کھا کر کسی کی امانت اس کو دینا جائز نہیں یا کسی رشتہ دار یا دوست کا حق ادا کرنے کے لئے کسی شخص کی امانت اس کو دے دینا درست نہیں، اسی طرح حکومت کے عہدے جن کے ساتھ عام خلق اللہ تعالیٰ کا کام متعلق ہوتا ہے یہ بھی امانتیں ہیں اور ان امانتوں کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو اپنی صلاحیت کار اور قابلیت واستعداد کے اعتبار سے بھی اس عہدے کے لئے مناسب اور موجودہ لوگوں میں سب سے بہتر ہوں اور دیانت اور امانت کے اعتبار سے بھی سب میں بہتر ہوں، ان کے سوا کسی دوسرے کو یہ عہدہ سپرد کر دیا تو یہ امانت ادا نہ ہوئی۔

علاقائی اور صوبائی بنیادوں پر حکومت کے مناصب سپرد کرنا اصولی غلطی ہے۔ اس کے ساتھ قرآن حکیم کے اس جملہ نے اس عام غلطی کو بھی دور کر دیا جو اکثر ممالک کے دستوروں میں چل رہی ہے کہ حکومت کے عہدوں کو باشندگان ملک کے حقوق قرار دے دیا ہے اور اس اصولی غلطی کی بناء پر یہ قانون بنانا پڑا کہ حکومت کے عہدے تناسب آبادی کے اصول پر تقسیم کئے جائیں، ہر صوبہ ملک کے لئے کوٹے مقرر ہیں، ایک صوبہ کے کوٹہ میں دوسرے صوبہ کا آدمی نہیں رکھا جاسکتا، خواہ وہ کتنا ہی قابل اور امین کیوں نہ ہو، اور اس صوبہ کا آدمی کتنا ہی غلط کار نااہل ہو، قرآن حکیم نے صاف اعلان فرمادیا کہ یہ عہدے کسی کا حق نہیں بلکہ امانتیں ہیں جو صرف اہل امانت ہی کو دی جاسکتی ہیں خواہ وہ کسی صوبہ اور کسی خطہ کے رہنے والے ہوں، البتہ کسی خاص علاقہ اور صوبہ پر حکمت کے لئے اسی علاقہ کے آدمی کو ترجیح دی جاسکتی ہے کہ اس میں بہت سی مصالح ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ کام کی صلاحیت اور امانت میں اس پر پورا اطمینان ہو۔[49]

انتظامی جزئیات کی تعیین:

مفتی صاحب کے مطابق اسلام صرف اصول طے کرتا ہے باقی ہر زمانے میں انتظامی جزئیات خود اس وقت کی حکومت کے سپرد ہیں جیسا کہ لکھتے ہیں: "اسلام چونکہ ایک ابدی دین ہے، اس لئے اس نے سیاست و حکمرانی کے لئے ایسے انتظامی جزئیات کی تعیین نہیں فرمائی، جو حالات اور زمانے کے بدلنے سے قابل تبدیل ہو جائیں۔ بلکہ کچھ ایسی بنیادی ہدایات عطا فرمادی ہیں جن کی روشنی میں ہر زمانے کے مطابق انتظامی جزئیات خود طے کی جاسکتی ہیں۔ اسی لئے یہاں یہ بات تو بتادی گئی ہے کہ حکومت کا اصل کام اقامت حق ہے، لیکن اس کی انتظامی تفصیلات ہر دور کے اہل رائے مسلمانوں پر چھوڑی گئی ہیں"۔[50]

عدلیہ اور انتظامیہ کا تعلق:

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب تفسیر معارف القرآن میں "معارف و مسائل" کے تحت مذکورہ عنوان سے متعلق ذکر فرماتے ہیں:

چنانچہ یہ بات کہ عدلیہ انتظامیہ سے بالکل الگ رہے یا اس کے ساتھ وابستہ ؟اس مسئلہ میں کوئی ایسا متعین حکم نہیں دیا گیا جو ہر دور میں نا قابل تبدیل ہو۔ اگر کسی زمانہ میں حکمرانوں کی امانت و دیانت پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہو تو عدلیہ اور انتظامیہ کی دوری کو مٹایا جا سکتا ہے اور اگر کسی دور میں حکمرانوں کی امانت و دیانت پر پورا بھروسہ نہ ہو تو عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل آزاد بھی رکھا جا سکتا ہے۔ حضرت داؤدؑ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے ان سے زیادہ امانت و دیانت کا کون دعویٰ کر سکتا تھا؟ اس لئے انہیں بیک وقت انتظامیہ اور عدلیہ دونوں کا سربراہ بنا کر تنازعات کے فیصلے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ انبیاء (علیہم السلام) کے علاوہ خلفاء راشدین میں بھی یہی طرز رہا کہ امیر المومنین خود ہی قاضی بھی ہوتا تھا۔ بعد کی اسلامی حکومتوں میں اس طریقے کو بدلا گیا اور امیر المومنین کو انتظامیہ کا اور قاضی القضاۃ کو عدلیہ کا سربراہ بنایا گیا۔[51]

خلاصہ:

اس مقالہ میں مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب کے سیاسی افکار اور زوایہ فکر کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو ان کی تفسیر معارف القرآن کے معارف و مسائل سے ماخوذ ہے۔ مفتی صاحب ایک تو تحریک پاکستان میں فعال کردار کے حامل تھے جو ایک سیاسی تحریک تھی اور پاکستان بننے کے بعد قائد اعظم کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے ملک کے قانون سازی خصوصا قرارداد مقاصد کے قانون سازی کی بنیادوں میں حصہ دار تھے تھا جو ایک جمہوری نظام سیاست کی قانون سازی ہے دوسری طرف وہ ایک دینی ادارے میں درو تدریس کے ساتھ منسلک تھے جن کے مطابق نظام سیاست کا اصل چہرہ خلافت ہے نہ کہ جمہوریت۔ ہم نے اس ارٹیکل میں ان معارف القرآن کی روشنی میں اس کی سیاسی فکر کو واضح کیا ہے جس میں اقتدار اعلی، آئین سازی، امیر کے انتخاب واہلیت، سرکاری عہدوں اور نظام خلافت و مغربی جمہوریت کے بارے ان کے افکار کو جگہ دی ہے۔

حواشی

[1]. محمد اویس سرور، اسلاف امت کا بچپن، لاہور، بیت العلوم لاہور ۲۰۰۹ء، ص: ۲۴۴، ۲۴۳۔

[2] محمد رفیع عثمانی، حیات مفتی اعظم، ادارۃ المعارف، کراچی: ص 22

[3] ابن منظور محمد بن مکرم بن علی الإفریقی، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 1414ھ: ج ۶، ص ۱۰۸۔ إبراهيم مصطفى / أحمد الزيات / حامد عبد القادر / محمد النجار، المعجم الوسيط، مكتبة الشروق الدولية، بيروت، ج ۱، ص ۴۶۳

[4] بدخشانی، مقبول بیگ، فیروز اللغات، طبع فیروز سنز، لاہور، 2004

[5]ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ص113

[6]مولانا گوہر رحمن، اسلامی سیاست، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، 2010ء، ص30

[7]سورہ یوسف، آیت40

[8]آل عمران، آیت189

[9]اعراف، 54

[10]مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 1429ھ/2008ء ج:1، ص:182

[11]مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:2، ص:449

[12]بقرۃ، آیت30

[13]مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:1، ص:180

[14]احزاب، آیت72

[15]مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:1، ص:248

[16]الاسراء، آیت70

[17]حج، 75

[18]انعام، 124

[19]مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:1، ص:183

[20]محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق (ریاض: دار السلام۔1428ھ)، حدیث، رقم 3455

[21]مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:1، ص:185

[22]القزوینی، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار الرسالۃ العالمیۃ، دمشق 1340، رقم الحدیث:3950

[23]مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:1، ص:175

[24]سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:42

[25]مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:1، ص:186

[26]مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:2، ص:186

[27]السجدۃ، آیت:24

[28]مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:7، ص:74

[29] اعراف، آیت54

[30] آل عمران، آیت:159

[31] الشوری، آیت:38

[32] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:2، ص:218

[33] ترمذی، محمد بن عیسی، سنن الترمذی، مکتبۃ مصطفی البابی الحلبی، مصر1395ھ، رقم الحدیث:2266

[34] الشوری، آیت:38

[35] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ج:2، ص:222

[36] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ج:2، ص:220

[37] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ج:2، ص:223

[38] المتقی الہندی، علاؤالدین علی، کنزالعمال، مطبوعۃ مؤسّسۃ الرسالۃ، بیروت 1401ھ، جلد ۵ حدیث ۲۳۵۴ ص ۱۳۹

[39] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ج:2، ص:224

[40] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ج:2، ص:225

[41] النساء، آیت58

[42] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:2، ص:449

[43] سورۃ ص، آیت26

[44] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ج:7، ص:508

[45] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج:7، ص:509

[46] النساء، آیت58

[47] الردوانی، محمد بن محمد بن سلیمان، جمع الفوائد، مکتبۃ ابن کثیر، کویت، 1418، ص:523

[48] صحیح البخاری، کتاب الایمان، حدیث رقم:59

[49] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن: ج:2، ص:449

[50] ایضاج:7، ص:508

[51] ایضا